یکم ستمبر ۱۹۷۳ء

رجسٹرڈ نمبر ایل ۹۲۲
فون نمبر ۲۹

ایڈیٹر

آل احمد سرور

اشاعت کی تاریخیں
۱، ۸، ۱۵، ۲۲
قیمت سالانہ چھ روپے
قیمت فی کاپی ۲۰ پیسے

ہفتہ وار

ہماری زبان

جلد ۲۲ | انجمن ترقی اردو ہند (علی گڑھ) | شمارہ

اداریہ

لسانی اقلیتوں کے کمشنر کی رپورٹیں

لسانی اقلیتوں کے کمشنر کی تیرھویں رپورٹ صدر جمہوریہ کی خدمت میں پیش کی جا چکی ہے۔ یہ بڑے دکھ کی بات ہے کہ کمشنر مسز دلی گریجی داس ہوائی جہاز کے اس حادثے کا شکار ہو گئیں جو ۳۱ مئی کو پالم کے ہوائی اڈے کے قریب پیش آیا تھا۔ ہندوستان ٹائمس کے ایک اداریے میں جو ۲۶ راگست کی اشاعت میں شائع ہوا ہے، کہا گیا ہے کہ رپورٹ میں قریب قریب ہر ریاستی حکومت کی بے توجہی اور بے عملی کا ذکر کیا گیا ہے کہ انھوں نے اُن تحفظات اور آئینی ہدایات پر بھی عمل کرنا ضروری نہیں سمجھا جو تسلیم شدہ ہیں اور جن کی پابندی اُن کا فرض ہے۔ کچھ ایسی ریاستی حکومتیں بھی ہیں جنھوں نے نہ صرف کمشنر کو وہ اعداد و شمار اور معلومات فراہم نہیں کیے جو کمشنر نے طلب کیے تھے، بلکہ ان شکایات کے سلسلے میں جواب دینا بھی گوارا نہیں کیا جو کمشنر کو موصول ہوئی تھیں اور جو ان ریاستی حکومتوں کو وضاحت کے لیے بھیجی گئی تھیں۔ کمشنر کا کہنا ہے کہ ۹۴۴ شکایات دو سال سے توجہ طلب ہیں۔ اخبار مذکور کی رائے ہے۔ اس امر میں کوئی شک نہیں ہے کہ لسانی اقلیتوں

کے خلاف ملازمتوں کے معاملے میں امتیاز روا رکھا جاتا ہے۔ اُن کی مادری زبان میں اُن کی تعلیم نہیں ہوتی اور لسانی اقلیتوں کی زبانیں سرکاری اغراض کے لیے استعمال نہیں کی جاتیں۔

یہاں یہ بات یاد رکھنا چاہیے کہ دستور کی دفعہ ۲۹ (۱) کی رو سے شہریوں کے کسی حصّے کو جو ہندوستان میں یا اس کے کسی حصّے میں رہتا ہے اور اپنی مخصوص زبان، رسم خط اور تہذیب رکھتا ہے، اس کی حفاظت کا حق ہوگا۔

دستور کی دفعہ ۲۹ (۲) کی رو سے کسی ادارے کو جو ریاست کے انتظام میں ہے یا ریاست کے مالیات سے امداد ملتی ہے، یہ حق نہ ہوگا کہ کسی شہری کو مذہب، نسل، ذات، زبان یا ان میں سے کسی کی بنا پر داخلہ نہ دے۔

دستور کی دفعہ ۳۰ (۱) کی رو سے تمام اقلیتوں کو خواہ مذہبی اقلیتیں ہوں یا لسانی یہ حق ہوگا کہ وہ اپنی مرضی کے تعلیمی ادارے قائم کریں اور چلائیں۔ دستور کی دفعہ ۳۰ (۲) کی رو سے حکومت تعلیمی اداروں کو امداد دینے کے سلسلے میں کسی تعلیمی ادارے کے خلاف اس بنا پر امتیاز نہ برتے گی کہ وہ ایک اقلیت کے زیر انتظام ہے، خواہ یہ اقلیت مذہبی ہو یا لسانی۔ دستور کی دفعہ ۳۴۷ کی رو سے اگر صدر مطمئن ہو کہ ایک ریاست کی آبادی کا قابل لحاظ حصّہ یہ چاہتا

ہے کہ وہ جو زبان بولتا ہے، اُسے حکومت تسلیم کرے اور وہ اس قسم کا مطالبہ کرتا ہے تو صدر یہ ہدایت کرسکتا ہے کہ وہ زبان پوری ریاست میں یا ریاست کے کسی حصے میں اُن اغراض کے لئے جن کی وضاحت کی جائے گی، سرکاری طور پر تسلیم کی جائے۔

دستور کی دفعہ ۳۵۰ کی رو سے ہر شخص کو یہ اختیار ہوگا کہ وہ کسی شکایت کے ازالے کے لئے کسی ریاست یا مرکزی حکومت کے کسی افسر یا اُس کے بااختیار ادارے کو مرکز یا ریاست میں چلن رکھنے والی کسی زبان میں عرضی دے سکتا ہے۔

دستور کی دفعہ ۳۵۰ (الف) کی رو سے ہر ریاست اور ریاست کے اندر مقامی بااختیار اداروں کی یہ کوشش ہوگی کہ وہ لسانی اقلیت کے بچوں کی ابتدائی تعلیم اُن کی مادری زبان میں دینے کے لئے ضرورت کے مطابق سہولتیں مہیا کرے اور صدر جمہوریہ کسی ریاست کو ایسی تمام ہدایات دے سکتا ہے جو وہ ان سہولتوں کے ملنے کے لئے ضروری سمجھے۔

دستور کی دفعہ ۳۵۰ (ب) (۱) کے مطابق صدر لسانی اقلیتوں کے لئے ایک خاص افسر کا تقرر کرے گا۔

دستور کی دفعہ ۳۵۰ ب (۲) کے مطابق اس خاص افسر کا یہ فرض ہوگا کہ وہ دستور میں لسانی اقلیتوں کے لئے جتنے تحفظات دیے گئے ہیں اُن کے سلسلے میں تمام معاملات کی تحقیقات کرے اور صدر کو مناسب وقفوں میں رپورٹ پیش کرے۔ صدر ان سب رپورٹوں کو پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں کے سامنے رکھوائے گا اور ریاستی حکومتوں کو بھیجے گا۔

اس کے علاوہ علاقائی کونسلوں، بڑے وزیروں کی کانفرنس اور یک جہتی کمیٹی کی قراردادیں ہیں۔

غرض دستور کی رو سے انتظام تو خاصا ہے کہ لسانی اقلیتوں کی شکایات دور ہوں، مگر اس سلسلے میں مرکز اور ریاستی حکومتوں کی طرف سے بڑی بے نیازی، بے پروائی، بے حسی بلکہ مجرمانہ غفلت کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ کمشنر بے چارہ کیا کرے۔ وہ صدر کا نمائندہ ہے مگر ریاستی حکومتیں اس کا نوٹس ہی نہیں لیتیں۔ اس کی رپورٹ پارلیمنٹ میں ضرور آتی ہے مگر کسی ممبر کو یہ توفیق نہ ہوئی کہ تحریک التوا یا توجہ طلب تحریک کے ذریعہ سے مطالبہ کرے کہ ریاستی حکومتوں کو صدر کی ہدایات کی پابندی کرنے پر مجبور کیا جائے۔ اب اردو دوستوں کا پارلیمانی فورم بنا ہے اسے اس طرف توجہ کرنی چاہیے۔ گجرال کمیٹی کے متعلق سنا جاتا ہے کہ وہ اردو زبان کی تاریخ، اردو صحافت کی تاریخ اور اردو میں تعلیم کی تاریخ لکھنے میں مصروف ہے۔ اس کا فرض یہ ہے کہ لسانی اقلیتوں کے کمشنر کی تیرھویں رپورٹ میں لسانی اقلیتوں کی زبوں حالی کی جو تصویر پیش کی گئی ہے، اس کا علاج کرنے کے لئے تجاویز پیش کرے اور ضرورت ہو تو دستور میں مزید ترمیم کی سفارش کرے۔

رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ "ایک ایسے فورم کی کمی روز بروز محسوس کی جا رہی ہے جو اُن تمام اقدامات کی جو ریاستی حکومتیں یا مرکز کے تحت علاقوں کی حکومتیں، لسانی اقلیتوں کے لئے تحفظات پر عمل درآمد کے لئے کرتی ہیں، یا تو نگرانی کرے یا کم از کم اُن کو غور سے دیکھے۔"

ہمیں کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ملک میں اخلاقی زوال اس درجے کو پہنچ گیا ہے کہ اب جس گروہ کے پاس سیاسی طاقت نہیں ہے، اس کے لئے دستور میں کتنے ہی تحفظات ہوں اور جمہوریت اور سیکولرزم کا کچھ ہی تقاضہ کیوں نہ ہو، نہ مرکز کی حکومت اپنا فرض پہچانے گی، نہ ریاستی حکومتیں اور نہ پارلیمنٹ کے ممبروں کو کچھ کرنے کا خیال آئے گا۔ یہ تو حالت ہے اور کہا جاتا ہے کہ اردو کے لئے بہت کچھ ہوا ہے۔ کیا الفاظ کے معنی اب بالکل بدل گئے ہیں۔

شاہکار کا احتشام نمبر

شاہکار کا نومبر کا شمارہ احتشام حسین نمبر ہوگا۔ اس نمبر کے تمام مضامین اپنی نوعیت کے اعتبار سے شاہکار ہوں گے۔ قیمت صرف ۴ روپیہ۔ ایجنٹ حضرات اپنے آرڈر پہلے سے محفوظ کرائیں۔ پتہ منیجر شاہکار، مدن پورہ وارانسی۔

• شاہکار پبلیکیشنز، وارانسی

شفقت اعظمی

دیوانِ حافظ مترجم

فارسی ادب کے عناصر اربعہ یعنی فردوسی، خیام، سعدی اور حافظ کا تاریخ میں ایک اہم مقام ہمیشہ کے لئے محفوظ ہوگیا ہے۔ ان کے گلہائے خوش رنگ و خوشبو سے گلستان ادب ہمیشہ مہکتا رہے گا۔ مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ ان کے دواوین کے تراجم اردو کے علاوہ انگریزی، فرانسیسی، جرمنی اور ترکی زبانوں میں بھی ہو چکے ہیں۔ حافظ ان چند خوش نصیب شعراء میں سے ایک ہیں جنھیں ان کی زندگی ہی میں شہرت دوامی حاصل ہوگئی تھی۔ حافظ کی غنائی شاعری نہ صرف فارسی زبان میں گل و بلبل کی داستان سناتی ہے۔ بلکہ دیگر ترقی یافتہ زبانوں میں منتقل ہونے کے باوجود اپنی غنائیت برقرار رکھتی ہے یہی فطری شاعری کی خاصیت ہے۔

حافظ کو فارسی زبان کا شیکسپیئر تسلیم کیا گیا ہے۔ دیوان میں دیگر اصناف سخن مثلاً مثنویات اور رباعیات وغیرہ بھی ہیں لیکن ان کا اصل میدان غزل ہے۔ چونکہ غزل کی یہ خصوصیت ہے کہ اس کے ہر شعر میں ایک الگ اور نئی بات پیش کی جائے کیونکہ غزل میں فلسفہ کا مسالہ پیش کرنے سے اس کے نازک آبگینے کو ٹھیس پہنچتی ہے، لہٰذا گیسوئے غزل سنوارتے ہوئے حافظ کو بھی شاہ شجاع کا یہ اعتراض انگیز کرنا پڑا۔

"ابیات غزلہائے شما ارتباطے باہم ندارند
یک بیت در وصال است و یک در فراق و گاہ
در خدمت زہد و یاد انگاہ دبے و میخانہ پرداختہ
و از رندی و بیخودی حکایت میکنی یا زدوم از
بے نیازی و استغنا، زمرۂ درعین حال بدرجای
پردازی یعنی از شاخ بہ شاخ پرواز می نمائی
و دوین تلون ذہن شنوندہ مشوش و وضیع کلام
از بین می رود کہ این خود بر خلاف فصاحت
است"

دیگر شعراء کی طرح حافظ بھی اہل وطن کی ناقدر شناسی اور بے مہری ایام کے شاکی نظر آتے ہیں۔ ستم ہائے اہل شیراز سے تنگ آکر وہ کبھی ہند کا رخ کرتے ہیں تو کبھی بغداد کا طرف ذہن منتقل ہو جاتا ہے؎

سخندانی و خوشخوانی نمی ارزند در شیراز
بیا حافظ کہ تا خود را بملک دیگر اندازیم

رہ بردیم بمقصود خود اندر شیراز
خرم آں روز کہ حافظ رہ بغداد کند

ایران کی تہذیب و ثقافت اور تاریخی قدامت سے کون انکار کرسکتا ہے۔ ہندوستان سے اس کے تہذیبی و تمدنی رشتے بھی عہد قدیم سے قائم ہیں۔ شاید اسی ربط کا اثر تھا کہ ہند کی یاد اپنے جلو میں حسین و جمیل تصورات کی بارات لے کر آتی تھی، جس کے لئے وہ متاع کائنات لٹا دینے کا جذبہ بھی اپنے مچلتے ہوئے دل میں پاتے تھے؎

اگر آں ترک شیرازی بدست آرد دل مارا
بہ خال ہندوش بخشم سمرقند و بخارا را

تاہم ان کی زندگی "خاک وطن از تخت سلیماں خوشتر است" کا مصداق بن کر رہ گئی تھی، چنانچہ جب بھی ہجرت کا جذبہ اپنے دل میں موجزن پاتے تو وطن کی یاد آگے بڑھ کر دامن تھام لیتی تھی؎

نمی دہند اجازت مرا بہ سیر و سفر
نسیم خاک مصلیٰ و آب رکنا باد

لہٰذا وطن سے باہر جانے کی تمنا اور آرزو دامن دل سے جھاڑ کر وطن کے گن گانے لگتے اور اس کی سلامتی کی دعا مانگنے لگتے تھے؎

خوشا شیراز و وضع بے مثالش
خداوندا نگہدار از زوالش

حافظ نے زندگی بھر پرآشوب دور اور ایران کی طوائف الملوکی کا زمانہ دیکھا جس کے گہرے اثرات ان کی شاعری پر بھی پڑے۔

فارسی زبان نہایت شیریں اور مالدار زبان ہے اردو زبان نے بہت کچھ فارسی سے حاصل کیا ہے۔ بلکہ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ اس کی بین الاقوامی شہرت میں فارسی کا ہاتھ سب سے زیادہ ہے۔ آج بیشتر یونیورسٹیوں و کالجوں میں بھی اردو کے شعبے قائم ہیں۔ فارسی میں دیوان حافظ اہل علم و دانش کے جذب و توجہ کا ہمیشہ سے مرکز رہا ہے۔ دیوان حافظ کے یوں تو متعدد ترجمے اردو میں ہو چکے ہیں لیکن مقام مسرت ہے کہ دیوان حافظ کو اب ایک لائق مترجم ملا ہے۔ مولانا قاضی سجاد حسین صاحب کی شخصیت علمی و ادبی دنیا کے لئے نئی نہیں ہے۔ مولانا عربی و فارسی کے ممتاز اسکالر اور استاد ہیں، نیز عربی و فارسی کے متعدد امتحانات امتیاز کے ساتھ پاس کر چکے ہیں۔ درس و تدریس کا ایک طویل تجربہ رکھتے ہیں۔ موصوف کو ۱۹۶۶ء میں ان کی فارسی میں سلم قابلیت کی بنا پر اعزازی سند بھی عطا کی گئی ہے۔ اسی جامع لیاقت اور قابلیت نے ترجمہ کو دو آتشہ بنا دیا ہے۔ ترجمے سے علمی تبحر، فکری تنوع، جذباتی سوز و گداز، شستگی و سلاست زبان کی شان

ہویدا ہے۔ موصوف نے دیوان حافظ کو سلیس اردو لباس پہنا کر اردو داں طبقہ کے لئے ایک گرانقدر دستاویز اور تحفہ بنا دیا ہے۔ ترجمہ کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ حشو و زوائد سے معریٰ اور جدید ترین اسلوب کا حامل ہے۔ الفاظ و معانی کا در و بست مخصوص انداز نگارش کا حسن دامن دل کھینچ لیتا ہے گویا ترجمہ میں روح شاعری سماگئی ہے۔ روانی اس قدر ہے کہ نثر پر بھی نظم کا گمان ہوتا ہے۔ پڑھتے چلے جایئے کہیں بھی طبیعت کو گرانی محسوس نہیں ہوتی۔ ادق اشعار کو بھی اتنے حسین اور آسان پیرائے میں بیان کیا گیا ہے کہ مطلب نکل کر سامنے آگیا ہے اور بجائے خود اس میں رمزیت اور غنائیت بھی پیدا ہوگئی ہے۔ چند اشعار قارئین کی ضیافت طبع کے لئے مع ترجمہ درج کئے جا رہے ہیں ؎

تا سر زلف تو در دست نسیم افتادہ است
جب سے تری زلف کا سرا نسیم کے ہاتھ میں پڑا ہے
دل سودا زدہ از غصہ دو نیم افتادہ است
سودائی دل رنج کی وجہ سے دو ٹکڑے ہوا پڑا ہے

ترجمانی اتنے ماہرانہ انداز میں کی گئی ہے کہ غزل کے نازک آبگینہ کو ٹھیس بھی نہ لگے اور اس کی روح اردو قالب میں داخل ہو جائے ؎

آب حیواں قطرۂ از لعل ہمچوں شکرش
آب حیات اس کے شکر جیسے ہونٹ کا ایک قطرہ ہے
قرص خور عکسے ز روئے آں مہ تاباں ماست
آفتاب کی ٹکیہ ہمارے اس روشن چاند کے چہرے کا عکس

؎ طالع اگر مدد کند دامنش آورم بکف
نصیبہ اگر مدد کرے تو اس کا دامن ہاتھ سے پکڑوں گا
گر بکشم زہے طرب ور بکشد زہے شرف
اگر میں اس کو کھینچ لوں تو زہے خوشی اور اگر وہ کھینچ لے زہے عزت

؎ ساقی بیار بادہ کہ آمد زمان گل
اے ساقی شراب لا کیونکہ موسم بہار آگیا ہے
تا بشکنیم توبہ دگر در میان گل
تاکہ ہم پھولوں میں توبہ توڑ دیں

؎ گر دست رسد خاک کف پائے نگارم
اگر معشوق کے پیر کی خاک میرے ہاتھ لگ جائے
بر لوح بصر خط غباری بنگارم
بینائی کی تختی پر غباری خط لکھوں

؎ اے ساقی از آں بادہ یکے جرعہ بر آور
اے ساقی اس شراب کا ایک گھونٹ لا دے
کاں بوئے شفا مید ہد از رنج خمارم
جو خمار کے رنج سے مجھکو شفا کی امید دلا دے

؎ حافظ لب لعلش مرا چوں جان عزیز است
اے حافظ اس کا لعل جیسا ہونٹ مجھے جان کی طرح پیارا ہے
عمرے بود آں لحظہ کہ جاں را بلب آرم
وہ تھوڑا سا وقت ایک عمر ہوگا کہ جان کو ہونٹوں پر لاؤں گا

؎ سر مست در قبائے زر افشاں چو بگذری
زر افشاں قبا میں مست ہو کر تو جب گزرے
یک بوسہ نذر حافظ پشمینہ پوش کن
کمبل پوش حافظ کو ایک بوسہ نذر کر دے

؎ اے لبت آب حیات وائے قدت سرو چمن
اے وہ کہ تیرا ہونٹ آب حیات اور قد سرو چمن ہے
اے رخت خورشید خاور روئے خطت مشک ختن
اے وہ کہ تیرا رخ مشرق کا سورج ہے اور تیرا خط ختن کا مشک۔

؎ زاہد ازیں نماز تو کارے نمی رود
اے زاہد تیری اس نماز سے کچھ کام نہیں چلتا
ہم مستی شبانہ و راز و نیاز من
میری رات کی مستی اور راز و نیاز سے بھی

؎ دوستاں جان دادم از بہر دہانش بنگرید
اے دوستو! اس کے منہ کے لئے میں نے جان دیدی دیکھو
گو بچیزے مختصر چوں باز میماند ز من
گو اتنی مختصر چیز کے لئے بھی وہ مجھ سے گریز کرتا ہے

حالیہ ایڈیشن میں حاشیہ پر نہایت عمدہ اور واضح نوٹ بھی ضرورت کے مطابق لکھا گیا ہے، جس سے ترجمہ کے حسن میں چار چاند لگ گئے ہیں۔

حافظ کے یہاں جہاں شراب معرفت موجود ہے وہیں حسن و عشق کی دلگداز داستاں بھی ہے وہ اسی دنیا کے آدمی تھے لہٰذا اسی آب و گل سے بنے محبوب مجازی کی پرستش کرتے تھے۔ ان کے پورے دیوان کو کلیتہً سلوک و معرفت کی دبیز چادر میں چھپا دینا زبان و ادب پر بہت بڑا ظلم ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ زبان و ادب اور شاعر کے جذبات رنگیں کو ہم اس کے حقیقی اور فطری روپ میں دیکھیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ حافظ کی شاعری کا معتدبہ حصہ سلوک و طریقت کا علمبردار ہے لیکن بہرحال وہ بھی انسان تھے۔ جوانی کے دور سے گزرے تھے ان کے سینے میں ایک حساس شاعر کا نازک دل تھا، جو پرستار حسن و جمال تھا۔ اس زمانے میں جو وار دات قلبی ہوتی ہیں، ان کا تذکرہ بھی نہایت دلآویز انداز میں موجود ہے۔ فاضل مترجم نے ترجمے کا حق ادا کر دیا ہے اور روح شاعری کو اس کے اصلی رنگ و روپ میں اردو زبان میں پیش کیا ہے۔ کسی ایک جگہ بھی زبردستی

کی تاویل سے کام نہیں لیا ہے۔

اس ایڈیشن کے آغاز میں بطور پیش لفظ جناب کوثر چاند پوری صاحب کا ایک مبسوط مقالہ بھی شامل ہے۔ جس نے ترجمہ کی افادیت میں گرانقدر اضافہ کر دیا ہے۔ کوثر صاحب نہ صرف ادیب ہیں بلکہ ایک لائق مورخ بھی ہیں۔ مضمون میں ادب اور تاریخ کا اتنا حسین امتزاج موجود ہے کہ عبارت کی دلکشی اور تاریخی حقائق کہیں جدا نہیں ہونے پائے ہیں۔ حافظ کے زمانے کی سلطنتوں، حافظ کی حیات اور دیوان حافظ کا بھرپور تاریخی اور ادبی جائزہ پیش کیا گیا ہے جسے پڑھ کر اس دور کے ادبی، ثقافتی اور تاریخی مناظر آنکھوں کے سامنے گھوم جاتے ہیں، نہ صرف مبتدی بلکہ منتہی کے لئے بھی یہ مقالہ معلومات افزا ثابت ہوگا۔

اس ایڈیشن میں مولنا محمد میاں صاحب فرد ہلوی کا مضمون کلام حافظ اور فال بھی شامل ہے۔ ادب کے ساتھ فال کا جوڑ کچھ مناسب نہیں معلوم ہوتا ہے۔ خاص طور سے آج کے سائنٹفک دور میں یہ ایک مضحکہ خیز شے بن کر رہ گئی ہے۔ ہماری درخواست ہے کہ آئندہ اشاعت میں یہ مضمون حذف کر دیا جائے۔

دیوان حافظ کی اردو میں کوئی شرح نہیں ہے اور اگر ہے بھی تو جزوی یا ضمنی طور پر موجود ہے جس پر قدامت کی چھاپ ہے۔ فاضل مترجم سے امید ہے کہ وہ اس اہم فریضے کو بھی پوری ذمہ داری کے ساتھ ادا کریں گے۔

کتاب کے آخر میں تعارف انگریزی زبان میں لکھا گیا ہے۔ اس سے اردو کی کوتاہ دامنی کا پتہ چلتا ہے کہ وہ ہمارے مافی الضمیر کو کما حقہ ادا نہیں کر سکتی ہے۔ حالانکہ آج ہماری زبان عالمگیر حیثیت اختیار کر گئی ہے۔ کسی زمانے میں اردو کتابوں کے پیش لفظ اور تعارف انگریزی میں لکھنے کا فیشن پایا جاتا تھا لیکن آج یہ اس قدر پروان چڑھ گئی ہے کہ اس امر کو بہت معیوب سمجھا جانے لگا ہے۔ لہٰذا ہماری ناچیز رائے میں اسے اردو زبان میں ہونا چاہئے اور ذرا تفصیل کے ساتھ۔

مجموعی حیثیت سے ترجمہ لائق تحسین اور ایک گرانقدر تحفہ ہے۔ خدا اسے قبول عام عطا فرمائے۔ آمین۔

(صفحہ ۴ سے آگے)

جذبہ کارفرما رہے گا۔

مشاعرے میں اردو کے سربرآوردہ شعراء نے اپنے کلام سے معزز سامعین کو محظوظ کیا۔ • نامہ نگار

حلقۂ فکر نو

نامور ادیب و شاعر حضرت علی عباس امید کی الہ آباد آمد کے موقع پر ان کے اعزاز میں حلقۂ فکر نو کے زیر اہتمام ایک ادبی شام کا انعقاد کیا گیا۔

جلسے کے منتظم حسین عباس عابدی نے مہمان شاعر کا خیر مقدم کرتے ہوئے ان کے فکر و فن پر مختصر مگر جامع انداز میں روشنی ڈالی۔ اس کے بعد ایک شعری نشست ہوئی۔

• حسین عباس عابدی

تعزیتی جلسہ

بزم اقبال آگرہ کا ایک تعزیتی جلسہ زیر صدارت نبلہ مینکش صاحب اکبرآبادی منعقد ہوا جس میں جناب حافظ ضیاء صاحب فریدی المتخلص ایچ الف فتحپوری کے انتقال پر رنج و غم کا اظہار کیا گیا۔ مرحوم یہاں کے ادبی حلقے میں ممتاز حیثیت رکھتے تھے آپ طنز و مزاح کے رنگ میں منفرد حیثیت رکھتے تھے جلسے میں مرحوم کو خراج عقیدت پیش کرنے کے بعد ایک تعزیتی قرارداد پاس ہوئی۔

• عزیز اکبرآبادی، سکریٹری
بزم اقبال آگرہ



حرف استدعا

گوالیار کے قدیم شعراء کے حالات اور نمونۂ کلام کی ضرورت

زیر ترتیب تذکرہ شعرائے گوالیار کے لئے گوالیار کے قدیم شعراء کے مختصر حالات اور نمونۂ کلام کی ضرورت ہے۔ امید ہے کہ واقف کار حضرات اس ادبی کام کی ترتیب میں میری اعانت کرنے کی زحمت فرمائیں گے۔ اسی سلسلہ میں یہ بھی گزارش ہے کہ ذیل کے اشعار گوالیار کے جن قدیم شاعروں کے ہیں ان کے نام اور مکمل غزلوں سے بھی مطلع فرمایا جائے۔

(۱) کاش یہ کہ کے وہ تلوار کے ٹکڑے کر دے
کوئی کہیوں اپنے دفادار کے ٹکڑے کر دے
جب کہا رحم کے قابل ہے، دل زار مرا
کہا جی! دلِ زار؟ دلِ زار کے ٹکڑے کر دے

. . . .

تم بڑے وہ ہو نہیں یار کے ٹکڑے کر دے

---

(۲) خواب دیکھا تھا اک افسردہ محفل اور آپ
مل گئے ہوں گے کہیں حسرت بھرا دل اور آپ
چشم گریاں سے اتر کر سیر دل فرمائیے
مدتیں گزریں تھا دریا اور ساحل اور آپ
آپ گھبرائیں نہیں نظروں کو دھوکہ ہوگیا
ایک ہی صورت کے ہوں گے میرا قاتل اور آپ

• خاور جبلپوری

(صفحہ ۸ سے آگے)

ہائی اسکول تک اردو کی تعلیم جاری ہوگئی ہے اور اس سلسلہ میں ہائی اسکول کے درجات کی ٹیچر کی تقرری انٹر کلاسز کے لئے منظور کر دی گئی ہے۔

نارگرس کالج کے منیجر سردار بلبیر سنگھ بار ایٹ لا نے بتایا کہ انھیں خوشی ہے کہ ان کی خواہش کے مطابق اردو کا انتظام کالج میں ہوگیا ہے لیکن وہ کوشش کر رہے ہیں کہ ڈگری کلاسز میں بھی اردو کی طالبات کو اردو کی تعلیم میں کوئی دقت نہ ہو۔ • قومی آواز۔ لکھنؤ

مسلم اردو میڈیم اسکول کا افتتاح

ٹانڈہ:۔ آج یہاں سید ظہیر اشرف صاحب ایڈوکیٹ کی بلڈنگ میں مسلم اردو میڈیم اسکول کا افتتاحی پروگرام عمل میں آیا۔ مولانا عبدالرحمٰن صاحب نظری منیجر اسکول نے تعلیم شروع کرائی۔ پروگرام میں عہدیداروں اور ممبروں کے علاوہ معززین شہر نے شرکت کی۔

اسکول میں اردو کے علاوہ ہندی، انگریزی، عربی و فارسی زبانوں میں بھی تعلیم کا انتظام کیا گیا ہے۔

• سیاست۔ کانپور

مرزا غالب ایوارڈ

نئی دہلی:۔ کل ہند غالب صدی کمیٹی نے پانچ ہزار روپے کے سالانہ ایوارڈ کا اہتمام کیا ہے۔ مرزا غالب پر بہترین کام کرنے والے کو یہ ایوارڈ دیا جائے گا۔

اسکولوں اور کالجوں میں بھی غالب کے متعلق مقالہ نویسی کے سالانہ مقابلے ہوں گے بہترین مقالہ نویسوں کو دو سو روپیہ دیا جائے گا۔

اس کمیٹی کی چیرمین مسز اندرا گاندھی ہیں۔ • الجمعیۃ دہلی

کلام غالب کے اسمگلنگ کی تفتیش

نئی دہلی:۔ آج مرکزی وزیر تعلیم پروفیسر نورالحسن نے لوک سبھا میں ایک سوال کا تحریری جواب پڑھ کر سنایا جس میں ایوان کو مطلع کیا گیا ہے کہ پولیس اردو فارسی کے مشہور شاعر مرزا اسد اللہ خاں غالب کے نادر قلمی نسخہ کے اسمگلنگ کی تفتیش کر رہی ہے۔

• سیاست۔ کانپور

ایک گذارش: ہماری زبان دار و داب کوشش ہو ڈرگ عدت بہ خیال رہے کہ کوپن پر اپنا پورا پتہ ضرور تحریر کریں۔ • مدیر

اخباروں سے تراشے

گورنر کے نام پارلیمانی اردو کمیٹی کی یادداشت کا خلاصہ

لکھنؤ۔ ممبران پارلیمنٹ کی اردو کمیٹی کے ایک وفد نے آج پنڈت آنند نرائن ملا کی قیادت میں گورنر جناب اکبر علی خاں کو جو یادداشت پیش کی اس کے چند مطالبات ذیل میں پیش کئے جاتے ہیں۔ ادارہ

ابتدائی سطح :

(۱) ریاستی حکومت نے متعدد جی او اور گشتی چٹھیاں تعلیمی اداروں میں اردو کی تعلیم کے سلسلے میں جاری کی ہیں لیکن حکومت کی پالیسیوں اور احکامات کو حکومت کے افسران نظرانداز کر دیتے ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ تعلیمی حکام کا ایک جلسہ جلد از جلد طلب کیا جائے اور ان کو ذہن نشین کرایا جائے کہ اردو کے بارے میں سرکاری احکامات پر لفظاً و معناً عمل درآمد ہونا چاہئے۔

(۲) اکثر پرائمری اسکولوں میں اردو اساتذہ کا تقرر اب تک نہیں ہوا ہے اگرچہ پرائمری اسکول یکم جولائی کو کھل گئے۔ اس تاخیر کو اسکول کے حکام استعمال کر رہے ہیں اور طلبہ پر دباؤ ڈال رہے ہیں کہ وہ اردو میں تعلیم حاصل کرنے کا ارادہ ترک کر دیں۔ ہر اسکول میں یہ تقرر ضروری کر دیا جائے۔

(۳) آئندہ پنج سالہ منصوبے میں جہاں ضروری ہوتے اردو پرائمری اسکول کھولے جائیں۔ جہاں ایسے اسکولوں کی ضرورت ہو نئے اردو پرائمری اسکول کھولنا چاہئیں۔

(۴) ریاست کے ۴ سو نارمل اسکولوں میں سے ۵ کو اردو نارمل اسکول قرار دے دیا جائے۔ اس سے اخراجات میں کوئی اضافہ نہ ہوگا۔ سررشتۂ تعلیم کے اردو داں اساتذہ کا تبادلہ ان اسکولوں میں کیا جا سکتا ہے۔

(۵) ریاست کے دیہی علاقوں کے تمام پرائمری اسکولوں میں اردو اساتذہ کا تقرر کرنے کا بندوبست کیا جائے۔

(۶) جہاں اردو طلبہ کی معتدبہ تعداد ہو وہاں تمام تعلیم اردو میں دینے کا بندوبست کیا جائے

(۷) ایسے اردو میڈیم اسکول اور کتب خانے ہیں جن کو حکومت تسلیم کرتی ہے ان کو معقول امداد دینا منظور کیا جائے۔

(۸) اردو میڈیم اسکولوں میں اردو داں افسروں کا تقرر کیا جائے۔

(۹) اردو نصابی کتابوں پر نظرثانی کرا کر آئندہ تعلیمی برس سے خاطر خواہ شائع کرایا جائے۔

(۱۱) سائنس کی نئی کتابوں کو ہندی کے ساتھ اردو میں بھی شائع کرایا جائے۔ اردو کی بہت سی نصابی کتابیں بازار میں دستیاب نہیں ہیں۔ ان کو جلد شائع کرایا جائے

(۱۲) ضلع انسپکٹر آف اسکولس اور بیسک شکشا ادھیکاریوں کو ہدایت کی جائے کہ وہ تمام اسکولوں کے داخلہ فارموں میں ایک خانہ مادری زبان میں تعلیم کا ضرور رکھیں۔ اور واضح احکامات جاری کئے جائیں کہ اس خانہ کو صرف طلبہ یا والدین و سرپرست ہی بھریں۔

جونیر ہائی اسکول سطح :

(۱۳) اتر پردیش میں سہ لسانی فارمولے پر اس طرح نظرثانی کی جائے کہ طلبہ کو سنسکرت کے بجائے اردو پڑھنے کا موقع ملے۔

(۱۴) احکامات جاری کئے جائیں کہ جن اسکولوں میں اردو داں طلبہ کی معتدبہ تعداد ہو ان کو اردو میڈیم اسکول قرار دیا جائے

(۱۵) نصاب تعلیم (کیری کولم) اردو میں بھی شائع کیا جائے۔

(۱۶) بی۔ ٹی۔ سی کورس میں اردو کی تعلیم شروع کی جائے۔ ان کو اور اردو داں افراد کو اس کا ممبر بنایا جائے۔

(۱۷) جونیر اسکولوں میں اردو اساتذہ کی تقرری کے لئے احکامات جاری کئے جائیں۔

ہائی اسکول کی سطح پر :

(۱۸) اردو ایک اختیاری مضمون کی حیثیت سے تمام سرکاری ہائر سکنڈری اسکولوں خاص طور پر گرلز ہائر سکنڈری اسکولوں میں پڑھانے کا انتظام کیا جائے۔

(۱۹) سرکاری امداد پانے والے ایسے ہائر سکنڈری اسکول بڑی تعداد میں ہیں جہاں ایک بڑی تعداد میں طلبہ اردو پڑھنا چاہتے ہیں مگر ان اسکولوں نے اردو کی تعلیم کا کوئی بندوبست نہیں کیا ہے۔ اگر وہ اردو سکشن کھولنے پر آمادہ بھی ہوتے ہیں تو ہائی اسکول انٹر بورڈ الہ آباد ان کی جانب سے ایسے سکشن کھولے جانے کی اجازت نہیں دیتا ہائی اسکول انٹر بورڈ الہ آباد کو حکم ملنا چاہئے کہ اگر ہائر سکنڈری اسکول اردو سکشن کھولنے کی درخواست کریں تو اس پر ہمدردانہ غور کیا جائے۔

(۲۰) حکومت آئین کی دفعہ ۹ (۴) کے تحت بورڈ کو حکم جاری کرے کہ وہ اردو میڈیم کے ذریعے ہائر سکنڈری اسکولوں میں تعلیم کے لئے ضروری بندوبست کرے۔

(۲۱) بورڈ کو یہ بھی حکم دیا جائے کہ وہ ہائر سکنڈری اسکولوں کے لئے اردو میں نصابی کتابیں تیار کرے۔

۲۲۔ کری کولم کی اشاعت اردو میں بھی عمل میں آئے۔

(۲۳) اگر کسی اسکول کے طلبہ کی ایک تہائی تعداد اردو میڈیم کی خواہشمند ہو تو ہائی اسکول انٹر بورڈ کو مشورہ دیا جائے کہ اس کا انتظام کرے۔

(۲۴) ایل۔ٹی ٹریننگ کے کری کولم میں اردو کو بھی شامل کیا جائے۔

ڈگری کی کالج سطح :- ۲۵- ان ڈگری کالجوں کو جو اردو سیکشن کھولیں گے پہلے ہی سال سے مالی امداد دی جائے گی۔ الحاق عطا کرنے (الحاق [illegible]) کی تاریخ گزر چکی ہے اس لئے درخواست ہے کہ گورنر صاحب یو۔پی کی تمام یونی ورسٹیوں کے چانسلر کی حیثیت سے آگرہ، میرٹھ، کانپور، الہ آباد، لکھنؤ اور گورکھپور یونیورسٹی کے وائس چانسلروں کے نام یہ ہدایت روانہ کریں کہ جن کالجوں نے اردو سیکشن کھولا ہے ان کو الحاق عطا کر دیا جائے۔

عام :- (۲۶) سرکاری دفاتر کے سائن بورڈ اور ڈویژنوں کے نیز ان کے راستوں کے نام امیلوں کے پتھر وغیرہ اردو میں بھی لگائے جائیں۔

(۲۷) جہاں اردو والوں کی آبادی ۱۵ فی صدی ہے وہاں سرکاری نوٹیفکیشن اعلانات وغیرہ اردو میں بھی شائع کئے جاتے ہیں۔ ان پر عمل درآمد کے لئے سخت ہدایات جاری کی جائیں۔

(۲۸) جو [illegible] اردو میں درخواست قبول نہ کریں گے ان کے خلاف تادیبی کارروائی کی جائے۔

گورنر جناب اکبر علی خاں نے تمام مسائل پر ہمدردانہ غور کرکے عمل درآمد کا وعدہ کیا ہے۔ • قومی آواز لکھنؤ

اردو کے حق میں فضا سازگار

لکھنؤ۔ پنڈت آنند نرائن ملا ایم پی وصدر پارلیمنٹری اردو کمیٹی نے کہا کہ اردو کے مستقبل کے سلسلے میں مایوسی کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ آج ماحول بدل چکا ہے اور اردو کے حق میں فضا سازگار ہو چکی ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ "عوام کو جگا دیا جائے اور ہم یہ دیکھتے رہیں کہ کہاں کیا شکایتیں پائی جاتی ہیں۔" پنڈت آنند نرائن ملا اردو کے مسائل پر ایک مذاکرہ کی صدارت کر رہے تھے جو اتر پردیش اردو اکاڈمی کے زیر اہتمام [illegible] لیمنڈر میں کیا گیا تھا۔

پنڈت آنند نرائن ملا نے کہا کہ "اردو کی لڑائی ہاری ہوئی لڑائی نہیں ہے۔" انھوں نے اردو کے سرکاری طور پر [illegible] کئے جانے کو اس کی بقا اور ترقی کے لئے ضروری قرار دیا۔ پارلیمانی اردو کمیٹی کے متعدد اراکین نے بھی جو گورنر سے ملے تھے اور ریاست میں اردو کے مسائل کے [illegible] انھیں میمورنڈم پیش کیا تھا۔ مذاکرہ میں حصہ لیا۔ یہ اراکین تھے جناب صالح عباسی، عبدالقادر، مولانا اسحاق سنبھلی، جناب عزیز امام اور جناب ششی بھوشن۔

ملا صاحب نے اختتامی تقریر میں حاضرین کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ جب بیس لاکھ آدمیوں کے دستخط ہوئے تھے اس وقت فضا اور تھی اور اب ماحول بدل چکا ہے آج اس سے کم دستخطوں پر بھی ہمارا مطالبہ تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ انھوں نے بتایا کہ ہم نے اپنے میمورنڈم میں سہ لسانی فارمولا اور اردو تعلیم کے ہر مسئلے کی طرف حکومت کو متوجہ کیا ہے۔

• قومی آواز۔ لکھنؤ

اردو کے لئے نئے ٹیچر رکھنے کی ہدایت

مراد آباد:- اتر پردیش حکومت نے ۴ ہزار اردو ٹیچروں کی تقرری کے سلسلہ میں جو سرکلر جاری کیا تھا اس کے سلسلے میں تمام اسکول کالجوں کے سربراہوں کو اس کی سخت ہدایات جاری کی گئی ہیں کہ وہ اپنے تعلیمی اداروں میں فوری طور پر اردو ٹیچرس کا تقرر کریں۔ اس بات کا یہاں انکشاف ایجوکیشن سکریٹری کے اس تازہ خط سے ہوا ہے جو کمیونسٹ ممبر پارلیمنٹ مولانا اسحاق سنبھلی کو موصول ہوا ہے۔

ایجوکیشن سکریٹری اتر پردیش نے اپنے اس سرکلر میں اس بات کو بالکل صاف کر دیا ہے کہ کسی اسکول میں پہلے سے کام کرنے والے کسی بھی ٹیچر سے اردو پڑھانے کا کام نہیں لیا جائے گا بلکہ اردو ٹیچرس کا الگ نیا تقرر ہوگا۔

مزید تحقیقات کرنے پر یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ایجوکیشن سکریٹری کے یہ احکام ریاست کے اضلاع کے تعلیمی افسران کو موصول ہو گئے ہیں جن پر جلد عمل درآمد ہونے والا ہے۔

• قومی آواز۔ لکھنؤ

دلی انتظامیہ اردو کے فروغ کے لئے کوشاں ہے

نئی دہلی:- دہلی میٹروپولیٹن کونسل کے چیف ایگزیکٹیو کونسلر شری رادھا رمن نے اردو کے نامور شاعر حضرت علامہ خضر برنی کے تازہ مجموعہ کلام "عطر گل" کے لئے ایک خصوصی پیغام میں تحریر فرمایا ہے کہ دلی زمانہ قدیم سے اردو کا مرکز رہا ہے اس لئے ہم چاہتے ہیں کہ یہ زبان پھلے پھولے۔ دہلی انتظامیہ راجدھانی میں اردو کے فروغ کے لئے کوشاں ہے اور اس ضمن میں ہر قسم کا تعاون دینے کے لئے تیار ہے۔

• الجمعیۃ۔ دہلی

تاراگرس کالج میں اردو کی تعلیم کیلئے ٹیچر کا تقرر

بہرائچ:- یہاں تاراگرس انٹر کالج میں ابھی تک

(بقیہ صفحہ [illegible] پر)

دوسرے اداروں کی خبریں

اردو کے مسائل پر دہلی یونیورسٹی میں ایک مذاکرہ

دہلی :۔ دہلی یونیورسٹی میں اردو کے مسائل پر ایک مذاکرہ منعقد ہوا جس میں مہاتما گاندھی کے ارادت مندوں (۱) شری ڈی کے ۔ گپتا سکریٹری گاندھی سمارک ندھی (۲) شری بیشیور ناتھ سرووسے اور (۳) شری ساہنی سرووسے نے شرکت فرمائی ۔ ان کے علاوہ گوپی ناتھ امن لکھنوی، جناب پروفیسر خواجہ احمد فاروقی، دہلی یونیورسٹی ۔ جناب پروفیسر محمد حسن، کشمیر یونیورسٹی ۔ جناب ڈاکٹر سلیمان اطہر جاوید، وینکٹیشورا یونیورسٹی تروپتی ۔ جناب ڈاکٹر قمر رئیس ۔ جناب ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی ۔ جناب ڈاکٹر صدیق الرحمٰن قدوائی ۔ جناب مغیث زیدی اور جناب ڈاکٹر عبدالحق نے بحث میں حصہ لیا ۔

سب سے پہلے پروفیسر خواجہ احمد فاروقی نے مہمانوں کا خیر مقدم کیا اور گاندھی جی کے کارکنوں اور ارادت مندوں کے آنے پر خوشی کا اظہار کیا اور امید ظاہر کی کہ ان کے تعاون سے زبان کے مسائل سلجھ جائیں گے ۔ انھوں نے کہا کہ زبان کے معاملے میں گاندھی جی کے خیالات آج بھی اس مسئلہ کا واحد حل ہیں ۔ ہمیں اس کا افسوس ہے کہ گاندھی جی کے سب سے بڑے جانشین ونوبا بھاوے جی نے رسم خط کے متعلق جو خیالات ظاہر کئے ہیں وہ گاندھی جی اور ہندوستان کے آئین و دستور دونوں کے خلاف ہیں ونوبا جی صرف ناگری رسم خط کو پھیلانا چاہتے ہیں حالانکہ ہمارے آئین نے اردو رسم خط کی حفاظت کا پورا بندوبست کیا ہے ۔ انھوں نے کہا کہ میرا یہ مطالبہ ہے کہ ہمیں وہی حقوق مل جائیں جو گاندھی جی نے ہمیں دئے تھے انھوں نے مزید وضاحت کی کہ دنیا میں ۲۲ سے زیادہ ممالک ایسے ہیں جن کی سرکاری زبانیں دو یا دو سے زیادہ ہیں ۔ ہمارے یہاں بھی یہ ہو سکتا ہے بلکہ ہونا چاہئے اس لئے کہ یہ بڑا ملک ہے ۔

انھوں نے کہا کہ ہمارا دوسرا مطالبہ یہ ہے کہ ہمارے بچوں کی تعلیم ابتدائی سے لے کر اعلیٰ سطح تک مادری زبان میں ہو ۔ تیسری بات یہ ہے کہ جمہوری اشتراکیت کی بنیاد اسی وقت مضبوط ہو سکتی ہے جب تمام زبانوں کے بولنے والے اس سماج کے بنانے اور سنوارنے میں لگ جائیں یہ کام اسی وقت ممکن ہے جب اردو زبان کو بھی نئے ہندوستان کے بنانے اور سنوارنے کا وسیلہ اور ذریعہ سمجھا جائے ۔

اس کے بعد شری دیوندر کمار گپتا نے کہا " میں پوری ذمہ داری سے کہتا ہوں کہ ونوبا جی صرف ناگری ہی پھیلانا نہیں چاہتے گاندھی جی کی طرح ان کو بھی دونوں رسم خط پیارے ہیں البتہ وہ ناگری کو مختلف رسم خطوں کے درمیان ایک کڑی بنانے کے خواہش مند ہیں وہ بھی اختیاری طور پر جبراً نہیں ۔ آپ کا یہ مطالبہ بہت مناسب اور صحیح ہے کہ تعلیم مادری زبان میں ہو اور دہلی یوپی اور بہار کے تمام طالب علم ہندی کے ساتھ اردو سے بھی اچھی طرح واقف ہوں ۔ ہم اپنی کمیٹی کے ذریعہ ان خیالات کو پھیلائیں گے اور اردو کے بارے میں ایک اچھی فضا بنائیں گے ۔

ڈاکٹر قمر رئیس اور ڈاکٹر محمد حسن نے بھی اس موضوع پر اپنے خیالات کا اظہار کیا ۔ حضرت امن لکھنوی انتہائی کمزوری اور ضعیف العمری کے باوجود اردو کی محبت سے مجبور ہو کر ساہنی صاحب کے سہارے جلسے میں آئے ۔ انھوں نے فرمایا کہ صرف ایک رسم خط پر اصرار کرنا گاندھی جی کے اصولوں اور ہندوستان کے آئین و دستور دونوں کی خلاف ورزی ہے اور بتایا کہ آزادی کے بعد اردو کے ساتھ بے انصافی ہوئی ہے اور یہ جلد سے جلد دور ہونا چاہئے ۔ اچھی فضا بنانے میں گاندھی وادی بہت مدد کر سکتے ہیں ۔ آخر میں پروفیسر خواجہ احمد فاروقی نے حضرت امن اور دوسرے مہمانوں کا شکریہ ادا کیا ۔ دوسرا جلسہ کل کے دن کے لئے اگست ہی میں منعقد ہوگا ۔ • نامہ نگار

کل ہند مشاعرہ جشن آزادی

دلی :۔ انجمن عروج ادب دہلی کے زیر اہتمام امسال بھی آزادی کی سالگرہ کے موقع پر ماولنکر ہال نئی دہلی میں ایک کل ہند مشاعرہ منعقد ہوا ۔ مشاعرہ کا افتتاح مرکزی وزیر جناب راج بہادر صاحب نے فرمایا اور صدارت کے فرائض وزیر ریاست جناب اندر کمار گجرال نے انجام دیئے اس موقع پر انجمن کے صدر اور دلی انتظامیہ کے ایگزیکٹیو کونسلر جناب اوم پرکاش بہل نے اردو کی اہمیت پر روشنی ڈالی اور بتایا کہ دلی انتظامیہ اردو کو فروغ دینے کے لئے کام کر رہی ہے اور جلد ہی اردو کو اس کا جائز مقام مل جائے گا ۔ اس کے بعد اردو نظم اور افسانوی ادب کی بہترین تصنیف کا اعلان کیا گیا ۔ اس سال اردو نظم پر جناب رشی پٹیالوی کے مجموعہ کلام " رنگ رواں " اور افسانوی ادب پر جناب رفعت سروش کو ان کی تصنیف جہاں آرا پر مبلغ پانچ پانچ سو روپیہ نقد انعامات پیش کئے گئے ۔ جناب راج بہادر صاحب اور جناب گجرال صاحب نے اپنی تقریروں میں آزادی کی جد و جہد میں اردو شعرا اور ادیبوں کے جوش و خروش و خلوص سے بھرپور حصے کو خراج تحسین ادا کیا اور امید ظاہر کی کہ تعمیر وطن میں بھی ان کا دہی

(باقی صفحہ ۵ پر)

ادب کی تخلیق کے لئے دو ہی شرائط بنیادی ہیں: ایک تو اپنی زبان پر خلاقانہ قدرت اور اپنی مخصوص صنفِ اظہار پر کامل فنی دسترس، دوسرے زندگی کا گہرا مشاہدہ، ذاتی تجربہ اور وسیع تر مطالعہ۔ باقی تمام نظریاتی مباحث بڑی حد تک بے معنی ہیں۔ قدیم، جدید، ترقی پسند، خارجیت پسندی کی اصطلاحات پر زور ادب کی بنیادی شرائط کی عدم تکمیل کے عذر ہائے لنگ ہیں اور کچھ نہیں۔ کوئی بھی لیبل لگا کر فنی ریاض کے بغیر اچھا ادیب بننے کا خواب دیکھنا یا آرزو کرنا خود فریبی اور عوام فریبی ہے۔ سیموئل دانوا کی خود نوشت ہی اس حقیقت کے عرفان کے لئے کافی ہے کہ مختلف علوم کے مطالعے اور زندگی میں وسیع تر شرکت کے باوجود فنی ریاض کس قدر اہمیت رکھتا ہے ادب میں داخل ہونے سے پہلے سارتر اور سیموئل دانوا نے کم از کم دس پندرہ برس مسلسل ان تھک محنت کرنے، خود بار بار اپنے مسودات کو رد کرنے، بدلنے، ناشروں کی طرف سے ان کی واپسی کے بعد خفا ہونے اور قاری یا مبصر پر بیوقوفی کا الزام لگانے کے بجائے، اُن کے نقائص کو دور کر کے نئے سر سے لکھنے میں جو ریاض کیا ہے اس کے بغیر کسی زبان میں کوئی ادیب رفعت حاصل کر ہی نہیں سکتا۔ ذہنی اور سستی شہرت کے حصول کے لئے رسائل کے دروازے کیسی ہی کشادگی کا مظاہرہ کریں، اس کشش سے بچنا لازم ہے۔ فنی ریاض کے عمل کا لازمی جز مطالعے کی وسعت ہے۔ جب تک ہم اپنی زبان اور دوسری زبانوں کے بڑے اچھے اور قابلِ ذکر ادب کی مختلف اصناف کا مطالعہ نہیں کریں گے تو فن کی شرائط سے پوری طرح عہدہ برآ ہو سکتے ہیں، حقیقت جس کی پیش کش موضوعی نظر سے ادب کا کام ہے منکشف ہو سکتی ہے۔ ادیبوں ہی تو پھر بھی ایسے مل جائیں گے جو ان شرائط کی تکمیل کے لئے تمام عمر ریاض کرتے ہیں، مگر ادب کے استادوں کی اکثریت محض کسی زبان میں ڈگری لے لینے ہی کو کافی سمجھ لیتی ہے۔ حالانکہ ڈگری کے معنی صرف یہ ہیں کہ کوئی شخص اب اس زبان کا مطالعہ کرنے کے قابل ہوا ہے، یہ ہرگز مطلب نہیں کہ وہ منتہی ہو گیا ہے اور اب ادب کے مطالعے سے بے نیاز ہو چکا ہے۔ ادب تخلیق و تدریس کے لئے ویسا ہی ریاض اور ویسا ہی سپردگی اور خود رفتگی چاہتا ہے جسے عرفانِ حقیقت کے لئے صوفیا نے لازمی قرار دیا ہے۔ اس کے بغیر ادب مکتب و ملا کا تختۂ مشق بن کر بے جان اور جامد لفظی یا نظریاتی مشق تو بن سکتا ہے، ہمارے تجربے کی وسعت اور حقایق کے انکشاف کا وسیلہ نہیں بن سکتا۔ اسی لئے ہماری جامعات میں ادب کی تدریس ادبی نظر اور ذوق پیدا کرنے میں ناکام رہتی ہے۔ سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ موجودہ نظامِ تعلیم میں ادب کو محض چند نصابی کتب، زبان و قواعد کی کچھ مبادیات اور کچھ تنقیدی اصولوں کا آموختہ سمجھا جاتا ہے۔ بذاتِ خود ایک کائنات اور زندگی کرنے کا ایک طریقہ نہیں سمجھا جاتا، نہ ہی مدرسین سے زبان پر خلاقانہ قدرت اور فنی شرائط سے تخلیقی شناسائی کی امید کی جاتی ہے۔

جہاں تک ادیبوں شاعروں کا معاملہ ہے۔ اُن میں سے بھی کچھ ہی یہ سمجھتے ہیں کہ ادب ادیب کی زندگی ہے، محض گزران شوق نہیں۔ ادب کی خاطر بھرپور زندگی گزارنا اور بھرپور زندگی کی تخلیقیت کا ادب میں اظہار کرنا لازم و ملزوم ہیں۔ زندگی ادبی تخلیق کا لامتناہی عمل ہے صرف حدود کا تماشا نہیں یا ادب زندگی سے اور زندگی ادب سے ہر لحظہ باہمی شرکت کا مطالبہ کرتے ہیں۔

اچھی کتابوں کا مطالعہ، زندگی کی ایک قابلِ قدر لذت بھی ہے اور ادبی ریاض کا تقاضا بھی۔ ان کے وسیلے سے ہم دنیا کے تخلیقی ذہنوں اور اُن کی حقیقی زندگیوں سے براہِ راست آشنائی حاصل کرتے اور اپنی شخصیت کی توسیع کرتے ہیں۔ زندگی کو براہِ راست معتبر طریقے سے بسر کرنے کے بعد ہی ادراکِ حقیقت اور عرفانِ ذات و کائنات کا دوسرا اہم وسیلہ ہے حقیقت بنی بنائی شے نہیں، اسے ہم تخلیق کرتے ہیں۔

اولگا کے مثلثی تعلقات پر مبنی تھا مگر بہت سی سچائیاں اپنا روپ بدل کر ابھرے اور منفرد انداز میں جلوہ گر ہوتی تھیں۔ اسی طرز کار کی بنا پر اُنھوں نے اپنا سب سے اہم ناول THE MANDARINS لکھا۔ اس کے پہلے ناول پر ہیمنگوے کے اثرات کی اکثر مبصروں نے نشاندہی کی ہے یہ اثر ناگزیر تھا کیونکہ وہ ہیمنگوے کی جس خوبی اور فن کی معترف ہے وہ یہی ہے کہ اس کے قلم سے عام اور معمولی باتیں بھی پورے انسانی وجود کا کسی خاص موقف میں معتبر ترین اظہار بن جاتی ہیں۔ ہیمنگوے کے فن کی اس انفرادیت کی بنیاد سیموں دا بوا کی نظر میں یہ ہے کہ اس کے یہاں مالرو (MALRAUX) کی MAN'S ESTATE کی طرح جنس (جسم) اور ذہن (روح) میں دوئی نہیں بلکہ عام جسمانی لذتیں بھی روحانی تجربے کا جزو لاینفک بن جاتی ہیں۔ وہاں رولاں ڈبید، لارنس، جیمز جوائس، موراویا، دستوفسکی، اراگاں، پرل بک، ہنری جیمز، کافکا، شولوخوف، ژاں ایلی ایرنبرگ، سارتر اور تمام قابل ذکر انگریز، امریکی اور یورپی مصنفین کے متعلق اس کی آرا، سب کی سب قابل قبول اور ہمارے نقطۂ نظر سے صحیح ہوں یا نہ ہوں، لیکن ایک ادیب کے توسط سے دوسرے ادیبوں کی کمزوریوں یا خوبیوں، انفرادیت اور نوعیت کو سمجھنے میں یقیناً مدد دیتی ہیں۔ ان میں سے ہر ایک مصنف ایک نئے زاویے سے ہمارے سامنے آتا ہے حقیقت کی طرح ادب کے مطالعے اور تنقید کے لئے بھی شخصی ادراک و بصیرت اپنی جگہ بہت اہم ہے۔ مالرو کا ناول DAYS OF HOPE جو اسپین کی خانہ جنگی پر اہم ناول ہے مگر MAN'S ESTATE سے کم تر سمجھی جاتی ہے سیموں دا بوا کے خیال میں بہتر ہے۔ اس ناول کا نقص یہ ہے کہ کردار گوشت پوست کے حقیقی انسان بننے کے بجائے محض تصورات و اقدار کی علامتیں ہیں، پھر بھی اس عہد کی روحانی ذہنی کشمکش کو مالرو نے جس طرح پیش کیا ہے، وہ بالکل ہی نئی چیز ہے اور یہی اس ناول کی سیموں دا بوا کی نظر میں انفرادیت ہے۔ اگرچہ دوسری جنگ عظیم نے اُن اخلاقی سیاسی اور سماجی تصورات کی عمارت ہی ڈھادی جن پر اس ناول کی تعمیر ہوئی تھی، مگر جس عہد میں یہ ناول لکھا گیا، اس کے حوالے سے اس کی اہمیت مسلّم ہے سیموں دا بوا نے اپنی خود نوشت میں جہاں اور تخلیقات کا محاکمہ کیا ہے، اگر اسپین کی خانہ جنگی پر ہیمنگوے کے ناول FOR WHOME THE BELL TOLLS کی خوبی یا خامی سے مالرو کے ناول کو سامنے رکھ کر بحث کی جاتی تو ایک ہی موضوع پر دو اہم ناول نگاروں کی تخلیقات کی منفرد خوبیاں اور خامیاں سامنے آجاتیں۔ مارکسی ہیمنگوے کے سیاسی سماجی تصورات کی بحث ضمنی ہے، اصل مسئلہ فنی برتاؤ کا ہے۔ اس کے بغیر تنقید تعصب بن جاتی ہے ایسی کتابیں بھی حقیقت کے ادراک میں ہماری مدد کرتی ہیں۔ سیموں دا بوا کی خود نوشت کا دوسرا حصہ THE PRIME OF LIFE اس لحاظ سے بہت اہم ہے کہ ہم ایک معاصر ادیب کے تخلیقی تجربے کے ساتھ ساتھ اس کی زندگی کے واقعات ذاتی واردات اور مطالعے کے ہمہ گیر اثرات سے بھی آشنا ہوتے ہیں۔ ایسی کتابیں ہماری نظر کو وسیع اور بقدر توفیق ادبی بصیرت کو گہرا بنا سکتی ہیں۔ اسی لحاظ سے اس کی غیر ادبی مگر انتہائی معنی خیز کتابیں SECOND SEX اور COMING OF AGE بھی اہم بن جاتی ہیں۔ سارتر کو سمجھنے کے لئے بھی یہ کتاب بہت معاون ثابت ہو سکتی ہے۔ دونوں ہمیشہ ساتھ رہے، دونوں فلسفے کے استاد رہے اور دونوں کی پہلی محبت ادب ہی رہا ہے۔

ہمارے یہاں یہ کہنا عام ہوگیا ہے کہ دنیا سمٹ کر ایک ہوگئی ہے، مگر اس سمٹی اور پھر بھی پھیلی ہوئی دنیا کو سمجھنے کے وسائل سے عموماً بے توجہی برتی جاتی ہے۔ ایک وسیلہ سفر ہے محض تاریخی مقامات کی سیاحت نہیں، بلکہ عام زندگی میں شرکت کے جذبے کے ساتھ یہ ہمارے بیشتر ادیبوں کے لئے جوئے شیر ہے۔ دوسرا وسیلہ عالمی ادب کا مطالعہ ہے جو ہماری رسائی میں ہے۔ مگر اردو کے بیشتر ادیب محض اردو کے ہم عصر ادب کے مطالعے یا بہت ہوا تو چند اردو کلاسکس سے سرسری شناسائی ہی کو سب کچھ سمجھ لیتے ہیں۔ ہندی کے ادیبوں اور استادوں کی یہ شکایت بجا ہے کہ ہم تو اردو ادب کا بھی حتی المقدور مطالعہ کرتے ہیں، مگر اردو والے ہندی سے واقفیت کو غیر ضروری سمجھتے ہیں، حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ ہندی ناول اور افسانہ ہمارے کہانی نویسوں پر بہت سی عصری اور فنی حقیقتوں کا انکشاف کر سکتا ہے۔ عالمی ادب کی طرف اس سے بھی کم توجہ کی جاتی ہے۔ حتیٰ کہ اردو کے اساتذہ بھی جن کا اوڑھنا بچھونا ادب ہونا چاہئے کیونکہ ادب محض ان کا شوق نہیں، وسیلۂ معاش اور فرض منصبی بھی ہے، اردو میں عالمی ادب کے ذکر پر یا تو چیں بہ جبیں ہوتے ہیں یا اس کا مذاق اڑاتے ہیں۔ دنیا کی کسی زبان کا ادب خود مکتفی نہیں۔ اردو تو اپنی ترقی کے تمام دعووں کے باوجود کئی میدانوں میں ابھی عالم طفولیت میں ہے۔ اگر اردو کا ادیب یا استاد عالمی کلاسکس اور ہم عصر ادب کی وقیع تخلیقات سے واقف نہیں تو وہ اپنی زبان و ادب سے بھی انصاف نہیں کر سکتا۔

(باقی صفحہ ۱۲ پر)

ڈاکٹر وحید اختر

میرا صفحہ

ہر اچھی کتاب حقیقت کا نئے سرے سے انکشاف کرتی ہے۔ ادب میں یہ بات ہی سب سے اہم ہے کہ ہم حقایق کا ادراک کس سطح پر اور کس نظر سے کرتے ہیں۔ ہم عصر ادیبوں کی تخلیقات کو یہی بات ایک دوسرے سے ممتاز کرتی ہے کہ وہ اپنی واردات و حقائق کو جو سب کے لئے مشترک ہونے ہیں کیونکر نئی ترتیب دے کر حقیقت کا ایک بالکل ہی نیا روپ ہمارے سامنے پیش کرتے ہیں۔ سیموں دا بوا (SIMONE DE BEAUVOIR) کے پہلے ناول کا مسودہ واپس کرتے ہوئے ناشر کی طرف سے تبصرہ نگار ہنری پیور نے لکھا تھا:

"میں سمجھتا ہوں کہ خصوصاً ہم عصر تعلیمی سماجی حالات (MILIEUS) کا انتہائی صحیح بیان اس ناول میں کیا گیا ہے۔ پھر بھی میری تنقید اس پر یہ ہے کہ عمیق تر سطح پر ناول میں طبع زاد عنصر کی کمی ہے۔ اسی بات کو یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ پچھلے بیس برسوں میں اس سماجی تصویر کی جو تم نے پیش کی ہے ان گنت بار عکاسی کی جا چکی ہے۔ تم اسی سے مطمئن ہو کہ ٹوٹتی بکھرتی ہوئی دنیا کو مِن و عن بیان کر دیا اور اس کے آگے اپنے قارئین کو ایک نئے نظام کی چوکھٹ پر چھوڑ دیا بغیر یہ بتائے کہ اس کے فوائد کیا ہوں گے۔"

سیموں دا بوا کو اس تبصرے پر حیرت دو وجہوں سے ہوئی۔ ایک تو یہ کہ اس نے اپنے نزدیک ان کرداروں کو پیش کیا تھا جن سے وہ براہ راست گہرے طور پر واقف تھی اور اس کا خیال تھا کہ ان کو زندہ بنا کر پیش کرنا ادب میں بالکل نئی اور اچھوتی چیز ہوگی کیونکہ اُن کرداروں تک کسی دوسرے مصنف کی رسائی نہیں۔ دوسرے یہ کہ اس کے پیش نظر ہم عصر زندگی کی مِن و عن عکاسی سرے سے تھی ہی نہیں۔ مگر جب غور کیا تو سارتر (SARTRE) سے بحثیں ہوئیں اور ادبی بصیرت تخلیقی تجربے کے ساتھ بڑھی تو مبصر کی رائے، وقتی مایوسی سے چھٹکارا پانے کے بعد صحیح معلوم ہوئی۔ فنی پختگی حاصل کرنے کے بعد نئے ادیبوں کی تحریروں میں بھی اُسے یہی خامی نظر آئی اور چیلنج یہ نہیں کہ بظاہر بالکل نئے قسم کے کرداروں یا مسائل کو پیش کر دیا جائے بلکہ اس میں ہے کہ بظاہر پامال اور عدم سچائیوں کو اس طرح پیش کیا جائے کہ وہ ایسے زاویے سے سامنے آئیں جہاں سے اب تک کسی نے انھیں نہیں دیکھا تھا۔ اور اس کا سب سے معتبر طریقہ یہ ہے کہ اپنے شخصی موضوعی تجربے کی مدد سے انھیں سمجھا جائے۔ محض اوپری مشاہدہ خواہ وہ کتنا ہی جزئیاتی اور گہرا کیوں نہ ہو واقعات اور اشیا کی قلب ماہیت نہیں کر سکتا۔ اسی لئے سارتر نے سیموں دا بوا کو مشورہ دیا تھا کہ وہ ایسا ناول لکھے جس میں مرکزی کردار خود اس کے اپنے تجربات و واردات کا نمائندہ ہو۔ اپنے ذاتی تجربے کی وساطت سے ہی ہم دوسرے انسانوں اور اپنے ماحول سے اُن کے رشتے کی پیچیدہ نوعیتوں کو سمجھ سکتے ہیں۔ وجودیت کے فلسفے میں سارتر ہی نہیں سب نے اس پر زور دیا ہے کہ موضوعی تجربہ ہی ادراک و عرفان حقیقت کی اساس بن سکتا ہے۔ لیکن یہ تجربہ بند گھروندا نہیں، بلکہ اس کی کھڑکیاں، دروازے اور راستے باہر کی دنیا اور دوسرے انسانی وجودوں کی طرف بھی کھلتے ہیں۔ وجودیت کی موضوعیت پر اعتراض کرنے والے یہ بھول جاتے ہیں کہ یہی موضوعیت تمام کلاسیکی اور معاصر ادب کا بھی نقطۂ آغاز ہے۔

ہنری پیور کے تبصرے کی آخری سطر بظاہر ترقی پسند نقاد ہونے پر مبنی نظر آتی ہے۔ لیکن اگر غائر نظر سے دیکھا جائے تو محض سماجی حل پیش کرنے کا طالب نہیں۔ بلکہ کسی بھی تخلیق پارے سے اس کے مرکزی خیال کے ارتکاز اور منطقی نقطۂ عروج کا مطالبہ کرتا ہے ادب کی سماجی مقصدیت سے بحث نہیں، اصل سوال خود فنکارانہ مقصد کا ہے۔ کوئی فن پارہ تخلیق ہی کیوں ہوا؟ اس کا محرک کیا ہے؟ تخلیق کے تقاضے کی تکمیل ہوئی یا نہیں؟ اگر نہیں ہوئی تو تخلیق ناکام اور ناقص ہے۔ اگر مصنف یہ نہیں جانتا کہ وہ کیوں اور کیا لکھ رہا ہے، اُسے نہیں لکھنا چاہیے۔

سیموں دا بوا نے سارتر کے مشورے کے بعد SHE CAME TO STAY ایسا ناول لکھا جو خود اس کے اپنے، سارتر اور ایک نیم روسی نیم فرانسیسی لڑکی

باقی صفحہ ۱۱ پر

مالک انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ، پرنٹر و پبلشر سید تفضل حسین ایم اے نے لیتھو کلر پریس علی گڑھ میں چھپوایا اور دفتر مرکزی انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ سے شائع کیا